بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توہین رسالت کی سزا موت؟

محمد ظفر اللہ۔

Pocatello, Idaho

شنید ہے کہ پاکستان میں سپریم کورٹ نے شرعی عدالت کے اس فیصلے کی توثیق کردی ہے کہ توہین رسالت کی سزا صرف موت ہے۔

اللہ تعالیٰ پاکستان کے حال پر رحم کرے۔ اس فیصلے کی رو سے گویا اب پاکستان میں کسی کی بھی جان محفوظ نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو اس فیصلے کی زد میں احمدی آئیں گے کہ ملاؤں کی نظر میں ختم رسالت کے منکر ہیں لہٰذا توہین رسالت کے مرتکب ہوئے۔ پھر شیعہ آئیں گے کہ وہ حضرت علیؓ کو نبوت کے اصل حقدار گردانتے ہیں۔ اور پھر اس کے بعد غیر مسلم آئیں گے کہ وہ تو آنحضرت ﷺ کو سرے سے مانتے ہی نہیں۔

دوسری طرف، پاکستانی فرقہ بازی میں وہ لوگ ہیں جو آنحضرتؐ کو نور نہیں مانتے اور گویا توہین رسالت کے مرتکب ہوتے ہیں۔ انہی میں اہل حدیث ہیں کہ جن کے بعض ملاّ اپنا ناپاک اور غلیظ ہاتھ اٹھا کر کہتے ہیں کہ لوگو دیکھو ایسا ہی ہاتھ تھا آنحضرتؐ کا۔ (کوئی ان سے پوچھے آنحضرتؐ معصوم تھے، تمہارا ہاتھ ان کے پاکیزہ ہاتھ جیسا کیونکر ہوا؟) الغرض اگر گنانے بیٹھوں تو بہت کم لوگ ہیں، پاکستان میں، جن کو توہین رسالت سے پاک سمجھا جا سکتا ہے۔ (یہاں کلیہ یہ بنتا نظر آتا ہے کہ مختلف فرقوں کے علماء نے دوسرے فرقوں کے کفر کے فتوے دے رکھے ہیں، اور عمومی اصطلاح میں کفر کے معنے اسلام کے کفر سے لیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اسلام کا کفر گویا رسول پاکؐ کا انکار ہوا اور اس مفروضہ انکار کو توہین میں بدلتے ذرا بھی دیر نہیں لگتی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات پر رحم کرے۔)

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مولویوں اور ججوں نے تو اپنی سی کر لی۔ مگر خدا تعالیٰ نے اپنے محبوب کی توہین کی کیا سزا مقرر کی اور رسول ﷺ کا اپنی توہین پر کیا ردّ عمل تھا؟

قرآن کریم میں ایک تو عمومی قاعدہ یہ بیان کیا گیا ہے جب بھی کوئی خدا تعالیٰ کا فرستادہ پیغام حق لاتا ہے، کم علم اور کم فہم لوگ اس کا مضحکہ اڑاتے ہیں اور اس کا انکار کرتے ہیں۔ اور اسکی کہیں بھی کوئی دنیاوی سزا قرآن میں مقرر نہیں ہوئی، سوائے اس کے کہ اس نبی کے مخالفوں کو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے اور انکو ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑتی ہے۔

دوسرے ایک خصوصی اہانت کا تو اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم کی سورۃ المنافقون کی آیت ۹ میں یوں ذکر کرتا ہے۔

يَقُولُونَ لَئِن رَّجَعْنَآ إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ
مِنْهَا الْأَذَلَّ ۚ وَلِلَّهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ
وَلَٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝٩

ترجمہ: وہ کہتے ہیں اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹیں گے تو ضرور وہ جو سب سے زیادہ معزز ہے، اسے جو سب سے زیادہ ذلیل ہے، اس میں سے (مدینہ میں سے) نکال باہر کرے گا۔ حالانکہ عزت تمام تر اللہ اور اس کے رسول کی ہے اور مومنوں کی لیکن منافق لوگ نہیں جانتے۔

تو یہ کہنے کی کیا سزا تجویز فرمائی اللہ تعالیٰ نے؟ ان منافقوں کی اولاد میں سے ایسے مومن پیدا فرمادئے جو کہ ان کی منافقت اور انکی بدتمیزیوں پر نفرین بھیجتے تھے۔ کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ جو لوگ ایسا کہتے ہیں ان کو قتل کر دو۔ منافقوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید ہے، ان سے ہوشیار رہنے کا اور انکی حرکتوں کا سختی سے نوٹس لینے کا حکم ہے لیکن قتل کرنے کا حکم نہیں دیا۔ دوسری طرف سورۃ المجادلہ آیت ۲۲ میں یہ فرمادیا کہ

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ

ترجمہ: اللہ نے لکھ رکھا ہے (یعنی مقدر کر دیا ہے) کہ ضرور میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔

یعنی خدا کی طرف سے یہ یقین دہانی ہے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی ہمیشہ جیت ہو گی۔

اب ذرا آنحضرت ﷺ کا کردار ملاحظہ ہو۔ جب حضور ﷺ، اسلام کی تبلیغ کے لئے، طائف تشریف لے گئے تو حضور کے ساتھ جو سلوک ہوا اس سے سب مسلمان واقف ہیں۔ لیکن جب اللہ کے فرشتے نے طائف کو تباہ کرنے کی پیش کش کی تو رحمت دو عالم نے فرمایا کہ ان ہی کی پشت سے موحد پیدا ہونگے۔ اللہ اللہ، زخموں سے چور تھے پر رحمت سے بھرپور تھے، یہ ہمارے حضورؐ تھے۔

ادھر مدینہ میں جب عبداللہ بن ابی ابن سلول نے اور اس کے منافق ساتھیوں نے جو جو ہتک آمیز باتیں کیں ان پر بعض اوقات جوشیلے مسلمانوں نے چاہا کہ منافقوں کے سردار عبداللہ بن ابی کو قتل کر دیں۔ مگر آنحضرت ﷺ نے اس کی اجازت نہ دی۔ قربان جاؤں اس گنجینۂ رحمت پر کہ اسی عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ بھی پڑھادی جس نے آنحضرتؐ کی مدنی زندگی کو گوں نا گوں مسائل سے بھرنے کی کوشش کی تھی۔

صلح حدیبیہ کے موقعے پر بھی آنحضرت ﷺ نے کفار مکہ کے ہتک آمیز سلوک پر مسلمانوں کو قتال سے باز رہنے کی تلقین کر کے گویا اس بات پر مہر ثبت فرمادی کہ اگر کوئی لاعلمی میں یا شرارت سے ہمارے آقا کو وہ مقام نہیں دیتا جو حضورؐ کا حق ہے تو اس پر اشتعال میں نہیں آنا چاہئے۔ لیکن، جب یہ شبہ ہوا کہ مسلمانوں کے قاصد حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا تو آنحضرتؐ نے تادیبی کاروائی کے لئے بیعت رضوان لی۔ یہ گویا ہم مسلمانوں کے لئے یہ سبق تھا کہ اپنوں کی حفاظت کے لئے یا ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جان دینے سے بھی دریغ نہ کرو۔

آنحضرت ﷺ کی زندگی گویا قرآن کی تفسیر تھی۔ اور میری ناچیز رائے میں آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے معاملات میں ہمیشہ سورۃ البقرہ کی آیت 256 کے اس حصہ کو پیش نظر رکھا۔

لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ

ترجمہ: دین میں کوئی جبر نہیں۔ یقیناً ہدایت گمراہی سے نمایاں ہو چکی ہے۔

میرا یہ بھی خیال ہے کہ توہین پر اشتعال میں وہ آتا ہے جسے پتہ ہو کہ اس کے پاس اشتعال میں آکر اپنی ہتک کا بدلہ لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ آنحضرت ﷺ کو تو علم تھا کہ آپؐ کا خدا آپؐ کے ساتھ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اسی لئے آپؐ اپنی ہتک پر نہ صرف مشتعل نہ ہوتے تھے بلکہ اپنے صحابہؓ کو بھی اشتعال سے باز رکھتے تھے۔ ہاں حق بات کہنے اور کہلوانے سے ہمارے آقا ﷺ کبھی باز نہ رہے۔ غزوۂ احد کی وقتی ہزیمت کے موقعے پر جب کفار کی طرف سے مختلف لوگوں کی شہادت کے بے بنیاد دعوے کیے گیے تو اصحابہ رضوان اللہ علیہم حضورؐ کی ہدایت پر خاموش رہے، کہ جواب دینے پر کفار کی یلغار کا اندیشہ تھا۔ پر جب کفار کی طرف سے **اعل ھبل** (یعنی ھبل کی جے) کا نعرہ لگا تو ہمارے آقا ﷺ نے بےچین ہو کر فرمایا کہ کہتے کیوں نہیں **اللہ اعلیٰ واجل**

(یعنی اللہ اعلیٰ ہے اور بزرگ)۔اس میں جہاں آنحضرت کی خدا تعالیٰ کے لیے غیرت کا پتہ چلتا ہے وہیں ہمارے لیے یہ سبق بھی ہے دشمن جس طرح وار کرے جواب بھی اسی طرح دو لیکن یہ سب اپنی ذات کے لیے نہ ہو محض اللہ کے لیے ہو۔یعنی جس انداز سے دشمن وار کرے جواب بھی تقریباً اسی انداز سے دو اور محض خدا کی خاطر۔(جب اسلام اور مسلمانوں پر تلوار سے حملہ ہوا، جواب تلوار سے دلوایا اور جب اسلام کے خلاف نعرے لگے تب جواب میں نعرے لگوائے۔)اس سے میں یہ اخذ کرتا ہوں کہ اگر کوئی دشمن اسلام پر یا آنحضرت ﷺ پر تقریراً یا تحریراً اعتراض کرے تو اس کا تردیدی یا توضیحی جواب بھی اسی انداز میں دینا چاہیے، یہ نہیں کہ جب کسی نے جہالت یا شرارت سے بکواس کی تو اس پہ ڈنڈا لے کر پل پڑے اور غیروں کے اخباروں میں سرخیاں لگوالیں کہ مسلمان تو سارے دہشتگرد ہوتے ہیں۔

بعض حضرات غزوات اور سرایہ کے پیش نظر جبر اور جنگ و جدل کو روا سمجھتے ہیں اور ان سے استنباط کرتے ہوئے دین میں جبر کو جائز گردانتے ہیں۔ان سے گذارش ہے کہ آنحضرتؐ کی جنگیں یا دفاع کے لئے تھیں یا ایسے مسلمانوں کو آزاد کروانے کے لئے تھیں جو کہ مشکل حالات میں محصور تھے یا تادیب کے لئے تھیں۔

آج کے زمانے میں بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم نے بھرپور غصے کا اظہار نہ کیا اور توڑ پھوڑ اور تشدد کا مظاہرہ نہ کیا تو ہم کمزور یا اسلامی حمیّت سے عاری جانے جائیں گے۔حالانکہ صورت حال اس کے قطعی برعکس ہے۔حضرت عمرؓ کی طبیعت میں جوش تھا اور آپؓ جلدی مشتعل ہو جایا کرتے تھے۔لیکن آنحضرتؐ کے زیرسایہ ہونے کی وجہ سے آپؓ نے کبھی اپنی طبعی تندی کا حد سے بڑھا ہوا عملی مظاہرہ نہ کیا۔میری ناچیز رائے میں جوشیلے مسلمانوں کو حضرت عمرؓ کی مثال کو سامنے رکھ لینا چاہئے اور یہ ذہن میں راسخ کر لینا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ گو ہم میں جسمانی طور پر موجود نہیں لیکن آپؐ کی قوت قدسی ہم پر اب بھی سایہ فگن ہے۔اور کہ جو بھی شرارت اور دلآزار باتوں کے مقابل پر صبر کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو عمرؓ کی طرح عقل اور استقلال سے نوازے گا۔

اور پھر وہی حضرت ابوبکرؓ والی بات کہ محمدؐ تو وفات پا گئے لیکن ہمارا خدا زندہ ہے۔اگر ہمیں اپنے خدا پر بھروسہ ہے تو ہمیں یقین ہونا چاہئے کہ آنحضرتؐ کی اہانت کر کے کوئی بھی خدائی عذاب سے نہیں بچ سکتا۔اور اگر آج کوئی بچتا ہوا نظر آتا ہے تو یا تو وہ خود ایمان لے آئے گا یا اسکی اولاد میں ایسے مومن پیدا ہونگے جو کہ اس کی حرکتوں پر نفریں بھیجیں گے۔کم از کم قرآن کریم سے آنحضرتؐ کی بعثت کے بعد سے تو یہی خدائی سنت نظر آتی ہے میرا خیال ہے کہ آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ اللعالمین بنا کر جو بھیجا تو اس کی رعایت سے اللہ تعالیٰ کا سلوک بنی نوع انسان کے ساتھ خاصہ نرم ہو گیا ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ دلوں کا حال اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔اس لئے اگر کسی کی باتوں یا عقیدہ سے یہ احساس ہو کہ وہ اہانت رسول کا مرتکب ہو رہا ہے تو اگر وہ خود کو مسلمان کہتا ہے تو استغفار کرنا چاہئے اور اس کے لئے دعا کرنا چاہئے، اور اگر وہ غیر مسلم ہے تو اس کے لیے دعا کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔اور یہ یقین رکھنا چاہئے کہ اگر اس نے شرارت سے ایسا عقیدہ اختیار کیا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی سنّت کے مطابق ایسا انتظام فرمائے گا کہ اسے ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑے گی۔